ایران اور انڈیا کے جدت پسندوں کے فکری رابطے:
(سر سید احمد خان کے نام ڈاکٹر علی شریعتی کے خیالی خط کی روشنی میں)

یوسف حسین، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی جامعہ پشاور

ABSTRACT:

To pay homage to one-century-senior Muslim modernist of Indian subcontinent, Sir Syed Ahmed Khan, Ali Shariati- Muslim modernist and social thinker from Iran- has written a fantasy letter. The letter provide a unique opportunity to identify and analyze point of attraction between Muslim modernist that surpasses the time and space limits. This brief article is an attempt to register the significance of the letter in understanding mutual intellectual bond among Muslim modernists in larger social, political, economic and religious context.

Key Words: Ali Shariati; Sir Sayed Ahmad Khan; Muslim Intellectuals; Sub-continent; Muslim modernist;

کلیدی الفاظ: علی شریعتی؛ سر سید احمد خان؛ بر صغیر کے مسلمان دانشور؛ مسلم دانشور، مسلم جدت پسند

ڈاکٹر علی شریعتی (پیدائش 1940۔ قتل 1978ء) کے خطوط کا مجموعہ انکی وفات کے بعد 1380 ہجری شمسی (2001ء) میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ انتشارات قلم ایران نے شائع کیا اور یہ ڈاکٹر علی شریعتی کی تخلیقات جو شائع ہوئیں انکا 34 واں حصہ ہے جو آثار 34 کے تحت منظر عام پر آیا۔(1) اس مجموعہ میں انکا ایک خط سر سید احمد خان کے نام بھی ہے۔ ڈاکٹر علی شریعتی سر سید احمد خان کی وفات کے بیالیس سال بعد پیدا ہوئے۔ انکا یہ خط ایک خیالی خط ہے ۔ جس میں سر سید احمد خان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس خط کا مطالعہ ڈاکٹر علی شریعتی کے دوسرے خطوط کی روشنی میں کیا جائے تو یہ خط اسلوب نگارش کے حوالے سے مختلف نظر آتا ہے۔ اس مقالہ میں اس خط کے متن کی روشنی میں شریعتی کے استعمار مخالف نظریات اور بر صغیر میں سر سید کی کاوشوں کا جایزہ لیا جاتا ہے۔

سر سید احمد خان اور علی شریعتی مسلم دنیا کے دو جدید اصلاح پسند تھے۔ دونوں دانشوروں نے اپنے عہد میں معاشرے کی اصلاح کے لیے جدید مذہبی افکار پیش کیے۔ اور عہد جدید کے تقاضوں کے مطابق مذہب کی از سر نو تشریح و توضیح کی۔ تاکہ اسلام جو ایک جدید مذہب ہے اور اس میں نئے زمانے کے مطابق ڈھلنے کی گنجائش موجود ہے اور مذہب نے اسکا ایک طریقہ کار وضع کیا ہے جو اسکے فلسفہ اجتہاد میں موجود ہے۔ سر سید احمد خان نے 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کے نتیجے میں اپنے افکار و خیالات پیش کیے۔ جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کا ہدف بطور خاص ہندوستان کے مسلمان تھے کیونکہ وہ انہیں غدر کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ سر سید احمد خان نے مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیاں غلط فہمیاں دور کرنے اور انہیں ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے کئی کتب تحریر کیں، مثلاً "رسالہ اسباب بغاوت ہند"، "رسالہ تحقیق لفظ نصاریٰ"، "تبیین الکلام"۔ ان میں ایک طرف غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا اور دوسری طرف مسلمانوں کو جدید تعلیم اور علوم کی طرف راغب کر کے انہیں عہد کے نئے تقاضوں سے روشناس کیا گیا۔ ایران میں ڈاکٹر علی شریعتی نے رجعت پسند مذہبی معاشرے کو جدید شعور سے آراستہ کیا۔ انہوں نے دسمبر 1972ء میں چھ صفحات پر مشتمل ایک خط لکھا جس میں انہوں نے اپنا قلمی نام علی سربداری ظاہر کیا۔ اس خط میں ہندوستان کی جنگ آزادی اور اسکے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کا جایزہ لیا۔ اور اس صورت حال میں برصغیر کے سماج میں سر سید احمد خان کے ذمہ داریوں کا تجزیہ کیا ہے۔ کہ انہوں نے مسلم زوال کے اس دور میں مسلمانوں کو عروج سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو بحیثیت ایک مسلم رہنما کے کس طرح سرانجام دیا ہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی اپنے خط میں یہ اہم نکتہ سامنے لاتے ہیں کہ تاریخ کے اوراق میں کئی ایسی نامی گرامی اور محبوب شخصیات گزری ہیں جنھوں نے دین کو اپنے مفادات کے تحت نقصان پہنچایا۔ اور دین کا نام لے کر دنیاوی مفادات حاصل کیے۔ یہ لوگ دین کا نام لیکر عوام کو دھوکہ دیکر اقتدار تک پہنچے۔ محراب کے گوشے سے خواجہ کے گنج و خزائن تک پہنچ کر وہاں نقب زنی کی اور اس وسیلے سے قصر خاقان تک رسائی پائی۔ اور خدا کے بجائے بااثر لوگوں اور شہنشاہوں کے سامنے اپنا ماتھا ٹیک کر نعمت دنیا حاصل کی اگرچہ دنیا میں انکے تقویٰ اور تقدس کا بہت چرچا تھا۔ علم اور دین میں شہرت رکھتے تھے پھر آہستہ آہستہ انہوں نے اپنا راستہ بدل دیا، اپنا قبلہ تبدیل کیا اور اپنے اصولوں پر سودا بازی کر کے مراعات حاصل کیں۔ یہ منافقین کا طبقہ ہے جنھوں نے مالی منفعت کے لیے اپنے اصول بدل دیے۔

ڈاکٹر علی شریعتی فرماتے ہیں کہ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ ان لوگوں نے عوام سے کیے گئے وعدوں اور اپنے دعووں سے انحراف کیا اور یہی وہ لیڈر رہیں جو رہنما ہونے کی بجائے راہزن کا درجہ رکھتے ہیں۔ دھوکہ دیکر عوام کو بیچ دیتے ہیں۔ عوام

کو دھوکہ دینا انکے لیے کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ عوام معصوم ہیں اور ایسے لوگوں پر اعتبار کرتے ہیں جنکی تقاریر جوش و جذبے اور فصاحت سے بھری ہوتی ہیں۔ وہ انکی اصل حقیقت کو نہیں جانتے کیونکہ انکا تعلق مذہب اور قومی معاملات سے جذباتی اور پُر خلوص ہیں۔ عوام سادہ لوح ہوتے ہیں اور انکی ریا اور دورخی کو نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ انہیں مذہب میں جزا و سزا کے تصور سے ڈرایا جاتا ہے اور مذہب کے نام پر دھوکہ دیا جاتا ہے۔

خط میں علی شریعتی برصغیر میں سرسید احمد خان کے دور کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سرسید کا معاشرہ جنگ آزادی کے وقت غداروں کی زد میں تھا۔ معاشرے میں ایسے لوگ موجود تھے جو مذہب کا لبادہ اوڑھ کے لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے اور آزادی کے منصب سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اس زمانے میں انگریزوں کی کوشش تھی کہ مذہب کا انتہائی محدود تصور پیش کیا جائے جو رسوم تک محدود ہو اور جس میں نئے زمانے کے مطابق ڈھلنے کی صلاحیت نہ ہو۔ مذہب اسلام کو رسم و رواج اور ظاہری عبادات تک محدود کیا جائے اور ان میں جدوجہد اور حرکت و عمل کا جذبہ مفقود کیا جائے۔ یہ کام اس دور میں کئی علمائے سوء کر رہے تھے جس کا نقصان مسلمانوں اور دین اسلام کو ہو رہا تھا۔ اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے ڈاکٹر علی شریعتی نے تمثیل کا سہارا لیا ہے اور کئی لوگوں کو بطور مثال پیش کرنے کے لیے علامتی انداز اختیار کیا ہے جیسا کہ انہوں نے دکن کے ایک شخص کا ذکر کیا جو اوپر کی گئی بحث کا ایک نمایندہ کردار ہے لیکن اس شخص کا نام تحریر نہیں کیا۔ اس دور میں مسلمانوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اسلام کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرے اور انکے لیے ترقی اور اصلاح کا ضامن ہو۔ مسلمان جو نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں زوال سے دوچار تھے انہیں ایک حقیقی اور مخلص رہنما کی ضرورت تھی۔ جو انہیں فرسودہ خیالات اور جاہلانہ افکار سے باہر نکال کر جدت سے ہمکنار کرے اور انگریز استعمار کے چنگل سے نجات دلائے۔ ان حالات میں سرسید احمد خان مسلمانوں کے ایک رہنما کے طور پر سامنے آئے اور مسلمانوں کی علمی ترقی، تہذیبی نشو نما اور سیاسی نظریہ سازی کی بنیاد بنے۔

ڈاکٹر علی شریعتی نے اس خط میں سرسید احمد خان کی بہت تعریف کی ہے اور انہیں مسلمانوں کا نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ اور ایسی شخصیت کے روپ میں ظاہر کیا ہے جو قوم کا درد رکھتی ہے اور اسے بیدار کرنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر علی شریعتی نے اس خط میں سرسید احمد خان کے بعض اوصاف نمایاں کیے ہیں جن میں انکی نیکی، روشن خیالی، ذہنی وسعت، آزاد خیالی، اصلاح پسندی اور علم دوستی کا ذکر کیا ہے۔

سرسید احمد خان اس دور میں سیاسی شعور کے حوالے سے ایک بالیدہ شخصیت تھے، جنہوں نے علی گڑھ تحریک کو سیاسی اور سماجی شعور کے تحت چلایا۔ چونکہ انکے نظریات مذہبی طور پر جدت کے حامل تھے، سرسید نے ایک بڑا مجتہد بننے کی کوشش کی۔ اس باب میں ان سے کئی غلطیاں سرزد ہوئیں جو مذہب کی روح اور اسکے اصولوں کے لحاظ سے بھی غلط

تھیں۔اسلیے تحریک کے دوران انہیں ایک بڑے مذہبی طبقے کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرناپڑا۔اس مخالفت کی کئی صورتیں بنتی ہیں ایک وہ لوگ تھے جو خلوص نیت سے سرسید کی مخالفت کر رہے تھے کیونکہ انکا خیال تھا کہ سرسید نے اسلامی روح اور اسکے عقائد کے برعکس نظریات پیش کیے ہیں اور انہیں اسلام سے جوڑ دیا ہے۔ جو حقیقی اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے۔ایک وہ طبقہ بھی تھا جو انگریزوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے سرسید کی مخالفت کر رہا تھا اور مغربی استعمار کے ایک ستون کے طور پر کام کر رہا تھا۔ جس کا ذکر بطور خاص ڈاکٹر علی شریعتی نے اس خط میں کیا ہے۔

اس وقت کے برصغیر پاک وہند کے مسلمان دو قسم کے سانحات سے دوچار تھے۔ایک مسلمانوں کا انحطاط جو برصغیر پاک وہند میں ایک اہم اور کثیر آبادی رکھتے تھے،اور برصغیر پاک وہند میں ایک خاص قسم کی تہذیب کے علمبردار تھے۔اور ایک طویل عرصے تک یہاں حکومت کر چکے تھے۔اب صورتحال یہ تھی کہ اقتدار ان سے چھین گیا تھا اور ان پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ انگریزوں کا مقابلہ مسلمانوں سے صرف اس خطے میں نہیں تھا بلکہ پوری دنیا میں مسلمان اور مغربی اقوام برسرپیکار تھیں اور انکی کوشش تھیں کہ انہیں زوال سے دوچار کیا جائے تاکہ ان سے مسلمان مقابلہ نہ کر سکیں۔اس مقصد کے تحت انگریزوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کو انحطاط کا شکار بنانے کی کوشش کی اور انکے مقابلے میں ہندوؤں کو زیادہ مراعات اور سہولیات دی تاکہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابل لاکر مسلمانوں کو سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشی ہر میدان میں کمزور کیا جائے۔ مسلمانوں کو کمزور کرنے میں ہندو اور انگریز باہم ایک ہی مقصد کے تحت کام کر رہے تھے اور انکا آپس میں گٹھ جوڑ تھا اور اس مقصد کی کامیابی میں مسلمانوں کا حصہ بھی تھا کیونکہ وہ اس زمانے میں جب سرسید احمد خان نے اپنی کاوشیں شروع کی تھیں، مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کو کفر سمجھتے تھے۔انکا خیال تھا کہ اسطرح وہ اپنے مذہب، مذہبی تعلیم، اپنی اقدار اور روایات سے کٹ جائیں گے۔ مغربی تعلیم نہ حاصل کرنے کی وجہ سے مسلمان ہر میدان میں ہندوؤں سے پسماندہ تھے۔خاص طور پر تعلیم کے جدید اصولوں اور نظریات سے بے خبر تھے۔ جدید یورپ اور مغربی یونیورسٹیوں کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے سے محروم تھے۔وہ مسلمان جو ایک عرصہ تک ہندوستان میں علم وثقافت اور طاقت کا مظہر رہ چکے تھے،اب فکری انحطاط اور سماجی پسماندگی کا شکار تھے۔ جبکہ انکے مقابلے میں ہندو اور جنوبی ہند کے زرتشتی بہت تیزی سے اپنے آپ کو جدید زندگی کے سانچے میں ڈھال رہے تھے۔ یہی دو گروہ اُس وقت یورپی تمدن، تعلیم اور سیاست سے شناسائی حاصل کر چکے تھے۔یہ خطرہ موجود تھا کہ کل جب استعمار ہندوستان سے چلا جائیگا تو اس مملکت کا مادی اور معنوی انتظام خود بخود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ اس صورت میں ہندو، زرتشتی اور سکھ، ثقافت، اقتصاد اور سیاست کو اپنے تصرف میں لے لیں

گے۔اور انکے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس وہ اہلیت نہیں ہو گی جو یہاں کا معاشی، سماجی اور سیاسی انتظام سنبھالنے کے لیے ضروری ہے۔اور مسلمان ہندوؤں کے محکوم بن کر رہ جائیں گے۔

ڈاکٹر علی شریعتی نے اس خط میں یہ ساری صورت حال پیش کرنے کے بعد ان ترقی پسند مسلمانوں کا ذکر کیا ہے جو اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی موجودہ صورت حال سے واقف تھے۔ اور اسکا مقابلہ تاریخ اسلام کے اس دور سے کر رہے تھے جب مسلمان پوری دنیا میں ترقی یافتہ اور بااثر قوم سمجھی جاتی تھی۔ وہ اس انحطاط سے رنجیدہ خاطر تھے اور انکے مستقبل سے سخت خائف تھے۔ یہ ترقی پسند مسلمان ڈاکٹر علی شریعتی کے خیال میں چند اہداف حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ پہلا ہدف یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان موجود جہالت، توہم پرستی اور عقلی طور پر پیدا ہونے والے جمود کو ختم کیا جائے اور مذہبی طرز فکر میں بنیادی تجدید نظر سے مسلم سماج میں افکار تازہ پیدا کیے جائیں۔ بطور خاص اس باب میں نوجوانوں پر زیادہ توجہ دی جائے۔ انکی تربیت جدید علوم اور ملت اسلامیہ کو درپیش چیلنجز کی روشنی میں کی جائے تاکہ مسلم نوجوان نسل کے لیے ایمان اور امید کی کرن ابھر کر سامنے آئے اور یہ مسلمانوں میں مثبت اقدار کی تشکیل کرے۔ قدیم اسلامی مدارس کی اصلاح اور درسی نظام (نصاب) میں تجدید نظر سے جدید صنعتی علوم کو تسخیر کیا جائے اور اس طرح ترقی یافتہ اسلامی مدارس اور یونیورسٹیوں کے تعلیمی ڈھانچے کو مرتب کیا جائے۔ دوسرا ہدف یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی قومی جدوجہد اور استعمار مخالف صفوں میں وحدت اور یکجہتی لائی جائے۔اس قومی و سیاسی جدوجہد کی بدولت وہ غیر ملکی انگریز استعمار کے تسلط و حاکمیت سے نجات حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ سرسید نے ان دونوں اہداف کے حصول کے لیے کوششیں کیں۔ایک جہت علیگڑھ کالج کے قیام سے سامنے آئی اور دوسری دو قومی نظریے کی تشکیل سے ظہور پذیر ہوئیں۔

ڈاکٹر علی شریعتی، سرسید کی علمی، سماجی اور سیاسی جدوجہد کی تعریف و توصیف کرنے کے بعد خط میں یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ سالہا سال کی جدوجہد اور مسلمانوں کے مفادات سے تعلق انکے ترقی کے لیے بھرپور کوششیں کرنے کے باوجود انگریز وائسرائے نے انہیں "سر" کا خطاب کیوں دیا اور انہوں نے کیوں قبول کیا؟

شریعتی کے مطابق ہندوستان کے ترقی پسند، استعمار مخالف اور اصلاح طلب مسلمانوں کی سالہا سال جدوجہد کے نتیجے میں "مسلم لیگ" معرض وجود میں آئی۔ جس میں، روشن خیال مسلمانوں نے اپنی ایمانی قوت اور قربانی سے اس انقلابی تحریک کو رجعت پسندی سے پاک کیا اور استعمار کے خلاف ایک بیانیہ قائم کیا۔اس دور میں مذہب اسلام کے خلاف ابھرنے والے منفی تصورات جو بعض مسلمانوں اور ہندوؤں میں تھے، سرسید نے انکی نفی کی، اصلاح کی اور اسطرح

مذہب اسلام کو اس دور میں ایک نئی روح بخشی جب وہ رسم و رواج تک محدود ہو گیا تھا اور اسے صرف مغل شہنشاہوں کا دین قرار دیا جا رہا تھا اور ملوکیت سے وابستہ کیا جا رہا تھا۔

ڈاکٹر علی شریعتی اپنے خط میں سر سید احمد خان کے ان تمام ترقی پسندانہ اقدامات کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں جنکی وجہ سے رجعت پسند اور پسماندہ ہندوستانی مسلمان معاشرہ اپنی قدیم حالت سے نکل کر جدید افکار، تعلیم اور طرز معاشرت سے آشنا ہوا۔ اور دوسری طرف اس کا منفی پہلو یہ بھی تھا کہ نیا تعلیم یافتہ طبقہ انگریز استعمار کے جدید علوم سے متاثر ہو کر اس ثقافتی یلغار کا حصہ بنا جس میں انہوں نے اپنے اسلاف کی اقدار کو جدت پسندی کی بھینٹ چڑھا دیا اور انکے کارناموں کو فراموش کر دیا۔ ڈاکٹر علی شریعتی اس خط میں اس ترقی کے مثبت اور منفی دونوں پہلو بیان کرتے ہیں اور، منفی پہلوؤں کا ذکر کرنے کے باوجود سر سید کی کاوشوں کو سراہتے ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں میں نئی اسلامی بیداری کی روح پھونکی۔ علی شریعتی کی نظر میں سر سید کی کاوشوں سے مسلمان عصری تعلیم حاصل کرنے کے اہل ہو گئے اور اسلام کے تازہ و تابندہ چہرہ سے روشناس ہو کر شناخت ذات حاصل کی اور ایک قلیل مدت میں اس قابل ہو گئے کہ وہ ہندوستان میں اپنے تشخص کو ثابت کر کے دونوں فریقوں یعنی انگریز اور ہندوؤں کے مقابلے میں اپنے لیے ایسی اقدار تشکیل دے سکیں جنکی بنیاد اسلامی نظام فکر پر ہو۔ ان ہی کی کاوشوں سے فرسودہ روایات کے پابند ہندوستانی مسلمان جدید علوم و فنون سے روشناس ہوئے۔ انہوں نے اسلام کو زیارتوں سے نکالنے، مردہ پرستی سے بچانے اور قرآن کو طاق پر رکھنے کی بجائے اسے پڑھنے، سمجھنے اور عمل میں لانے کا درس دیا اور اسلام کی حرارت سے یخ بستہ معاشرے کو حرکت و عمل کا درس دیا اور اسے موت سے زندگی کی طرف لے آئے۔ مسیحا بن کر مردہ معاشرے میں حیات و شفا کی روح پھونک دی۔ سر سید نے مسلم سماج اور برطانوی ہند کے درمیان مفاہمت کا پُل تعمیر کرنے کے لیے ہمہ تن کوشش کی لیکن اسکے باوجود آخر دم تک انگریز مسلمانوں کو اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ اور مزاحمت کا سبب سمجھتے تھے۔ (2)

سر سید عصری تقاضوں سے آگاہ ایک دردمند مجاہد کی حیثیت سے ایک انقلابی محرک کے طور پر ہندوستان کے جامد سماج میں اٹھے اور بہ یک وقت دو محاذوں میں نبرد آزما ہوئے؛ ایک طرف رجعت پسند سماج تھا، دوسری طرف استعماری حاکم طبقہ۔ اس دوران پارسی، ہندو اور سکھ رہنما بھی برصغیر میں اسلام کے احیاء سے خوفزدہ نظر آتے ہیں اور اس خوف کے باعث مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں۔ گویا سر سید کو کئی محاذوں پر لڑنا تھا۔ شریعتی فرماتے ہیں "بدنام زمانہ خیانت کار افراد جیسے دکن کے صادق اور بنگال کے میر جعفر جو مسلمان کا لبادہ اوڑھ کر انگریزوں کی دلالی کر رہے تھے، ان دو خائنوں کی طرح برصغیر میں انگریزوں کے دیگر وظیفہ خوار بھی مسلم لیگ پر ہمہ وقت تہمت لگاتے تھے اور سادہ لوح مسلمانوں کو مسلم لیگ سے متنفر کرنے کے ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ برصغیر میں استعمار کے پانچویں ستون، مذہبی طبقہ میں

سے بعض عناصر نے بھی مسلمانوں کی آزادی اور سرسید کی کاوشوں کی مخالفت کی۔ یہ وہی چہرے تھے جنہوں نے اس سرزمین پر عوام کو جہالت، غفلت اور ذہنی تنگ نظری کی فضاء میں محصور رکھ کر زمینی خداوں کے طوق انکی گردنوں میں ڈال دیے تھے۔ دینِ خدا میں اپنے افسانوں اور افسون کے ذریعے تاویلیں پیش کرتے تھے "(3)۔ ایسے مذہبی چہروں کو قرآن میں یوں کہا گیا ہے کہ گویا وہ "گدھے ہیں جن پر کتاب لاد دی گئی ہے" یا "انکی مثال کتوں کی ہے اگر ان پر وار کیا جائے تو بھونکنا شروع کر دیتے ہیں اور اگر انکو کچھ بھی نہ کہا جائے پھر بھی بھونکتے رہتے ہیں"۔(4)

شریعتی ایسے مذہبی طبقے پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ وہ طبقہ ہے جسکی وجہ سے عوام کے عقل و قلب کے گرد تار عنکبوت کے جالے لگے ہوئے ہیں اور اگر ان کے خلاف کبھی تجدد کی بات کی جائے تو وہ کسی بھی منفی حربے اور ہتھکنڈوں کے استعمال سے دریغ نہیں کریں گے۔

علی شریعتی برصغیر کے مسلمانوں کی بیداری میں سرسید احمد خان کی کاوشوں اور مسلم لیگ کی جدوجہد کو قابل تحسین قرار دیتے ہیں۔ شریعتی فرماتے ہیں کہ برصغیر کی آشکار اور پنہاں اسلام مخالف طاقتیں ہمیشہ سے خائف تھیں کہ اگر مسلمان خرافات، جہل اور ذہنی پسماندگی سے نکلے تو ہندوستان میں انکی طاقت کے احیاء سے استعماری اور قدامت پسند ہندووں کی غارت گری اور بالا دستی کا یکسر خاتمہ ہو جائے گا اور اگر اسی تنہائی اور فرسودگی میں مسلمان مبتلا رہے تو وہ صدیوں تک مسلمانوں پر راج کرنے میں کامیاب ہوں گی۔ انکے اس خواب کو سرسید اور مسلم لیگ کی تحریک نے چکنا چور کیا۔ اس بات کا اعتراف خود انگریز مصنفین نے بھی کیا کہ وہ برصغیر میں تسلط کو دوام دینے کے لیے مسلمانوں کو انکے عہد رفتہ سے غافل کرنا چاہتے ہیں اور اس رشتے کو کاٹنے کے لیے انہوں نے دو اہم زبانوں یعنی عربی اور فارسی کو ختم کرنے کا منصوبہ تشکیل دیا۔(5) اس منصوبہ میں کسی حد تک وہ کامیاب بھی ہوئے۔ گرچہ یہ دو زبانیں یہاں کی مقامی زبانیں نہیں لیکن مقتدر مسلمان حکمرانوں کی زبانوں کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کی مستند زبانیں بھی تھیں۔

آگے جا کر شریعتی سرسید کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جنگ آزادی کے دوران جن میر صادقوں اور میر جعفروں نے سینکڑوں بت اپنے خرقہ کے نیچے چھپا کر استعمار کی خدمت کی، انکے مقابلے میں اقبال حضرت ابوذر کی طرح میدان میں آئے، اقبال نے ایک ایسے سماج کو خودی سے روشناس کرانے کا علم بلند کیا جس میں عرفان کی تبلیغ راجاؤں اور کاشتریا کے مہاراجوں نے کی۔ اغیار برصغیر کے مسلم معاشرے کے قیام کو غزنوی لٹیروں کا مرہون منت مانتے تھے۔ ایسی صورت حال میں علی شریعتی اپنے استاد علامہ اقبال کو انکے اعلیٰ افکار اور تعلیمات کی وجہ سے "علی نما" کے لقب سے نوازتے ہیں۔ مذکورہ خیالی خط کے آخری اقتباسات میں بحث کا رُخ علامہ

اقبال کے افکار کی طرف مڑ جاتا ہے۔ ڈاکٹر شریعتی نے افکار اقبال کو سراہا ہے۔ خط کے اس حصہ میں علامہ اقبال سے متعلق کچھ باتیں تکراری ہیں جو کتاب "ماواقبال" اور "میز گرد" کے مباحث میں شریعتی نے بیان کی ہیں۔
ڈاکٹر علی شریعتی کے اس خیالی خط کے مجموعی مباحث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ آزادی کے بعد سر سید احمد خان کی کوششوں کا محور مسلمانوں کی عصری تعلیم سے آگاہی اور انگریز کے ساتھ مفاہمت تھا جبکہ علامہ اقبال برصغیر کے مسلمان کو اپنے عہد رفتہ کی یاد دلاتے ہوئے انکا رشتہ اسلاف سے جوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس بات کا ذکر شریعتی نے اپنی کتاب "ما و اقبال" میں بھی کیا ہے۔ شریعتی نے سر سید کے دور میں اُس وقت کے مذہبی طبقے کی مخالفت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان تمام مخالفتوں کے سامنے سر سید کے سینہ سپر ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں سر سید کو تحسین سے نوازا ہے۔
اس وقت کے مذہبی طبقات کی طرف سے مخالفت کا جو تجزیہ محمد علی صدیقی نے کیا ہے (6). بعینہ علی شریعتی نے ان موضوعات پر بحث کی ہے۔ کیونکہ شریعتی بھی جب اپنا اور اپنے عہد کا موازنہ سر سید احمد خان کی ذات اور انکے دور سے کرتے ہیں تو انہیں بہت سی مماثلتیں نظر آتی ہیں۔ جو ان دو دانشوروں (شریعتی اور سر سید) کو اپنے اپنے ادوار میں ممتاز اور نمایاں بنا دیتی ہیں۔ ڈاکٹر شریعتی کے اس خط کے سیاق کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان دو دانشوروں کے فکر و فہم میں بہت عمیق قربت اور کافی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور جدت پسندی کے رجحانات میں دونوں کے افکار ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ شریعتی، علی، نامہ ہا، مجموعہ آثار 34، انتشارات قلم تہران، 1380ھ ش، ص 74
2۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران بنگال میں برٹش حکومت کے 1000 سپاہی اور 50 افسر مارے گئے۔ چالیس سالوں میں یہ انکا بڑا ضیاع تصور کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں ولیم ویلسن لکھتے ہیں؛
“... And still has influence with in India, to place under contribution or black mail a very large proportion indeed of that loyal and highly respectable section of the community to which” A Muhammadan” probably belongs for purposes which are in no way conducive to the interests of British rule in India, or British interest in the East”. The Indian Musalman: Are they bound in

Conscience to rebel (Digital book), Sir William Wilson Hunter, Page.6

3۔ شریعتی، علی، نامہ ہا، مجموعہ آثار 34، انتشارات قلم تہران، 1380ھ ش، ص 77

4۔ القرآن: "مثل الذین۔۔۔ کمثل الحمار یحمل اسفاراً"۔(الجمعہ۔5)۔۔۔۔ "فمثلہ الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث!"(الاعراف۔176)

5۔ The Indian Musalman: Are they bound in Conscience to rebel(Digital book), Sir William Wilson Hunter, Page 105 (92)

6۔ صدیقی، محمد علی، سر سید احمد خان اور جدت پسندی، ارتقائے مطبوعات کراچی، 2002ء